بین الریاستی تعلقات میں غیر مسلم ریاستوں سے روابط کے اسلامی احکامات

(ایک تحقیقی جائزہ)

Interstate relations with non-Muslim states in Islamic Perspective

Muhammad Younus Javed
PhD Scholor. Department of Islamic Studies, Univeresity of Lahore
younusjavaid@gmail.com
Dr. Shams-ul-Arifeen
Asst. Pro. Department of Islamic Studies, Univeresity of Lahore

ABSTRACT

Foreign policy is one of the wheels with which process of international politics operates. It is not separate from the national policy. It is an important tool to relate the relations to other countries. Foreign policies consist of aims and measures that are intended to guide government decisions and actions with regard to external affairs, particularly relations with foreign countries .

Being a universal religion Islam represents broad vision of its constituted policies and considers itself responsible for the preparation of its rights. Islam gives its own guidance in this perspective. The Holy Prophet ﷺ made practically the establishment of Islamic State, made arrangements of conveying to the whole humanity, the worldly and universal message of Islamic ideology. All these facts are evident from the foreign policies of the State of Madina.

Islam maintains relations with Non-Muslims states according to its teachings and interests. It is an important part of an Islamic State's foreign policy. Therefore, Islamic State relates its relations with other non-Muslim states. Foreign policy of an Islamic State can solve all the issues, problems and contradictions which are facing the world today.

Keywords: Foreign Policy, Islamic State, Relations, Non-Muslims States, Limitations, Basic Principles

تمہید

انسان اکیلا نہیں رہ سکتا۔وہ اپنی ضروریات کے لیے دوسرے انسانوں کے ہمراہ رہنے پر مجبور ہے۔موجودہ دور میں دنیا ایک گلوبل ویلج (Global Village)بنتی جارہی ہے۔آج جس انداز میں تبدیلیاں اور واقعات روپذیر ہورہے ہیں، اسی لحاظ سے مختلف ریاستوں اور اقوام میں پیچیدگیاں، تنازعات اور مختلف معاہدات سامنے آتے رہتے ہیں۔جس طرح کوئی انسان اکیلا نہیں رہ سکتا اسی طرح کوئی ریاست بھی تنہا نہیں رہ سکتی۔وہ دیگر ریاستوں اور اقوام سے تعلقات قائم کرنے کی ضرورت محسوس کرتی ہے۔ریاست کی سیاسی، معاشی، دفاعی اور دیگر ضروریات اسے دوسری

ریاستوں سے تعاون پر مجبور کرتی ہیں۔ایک ریاست دیگر ریاستوں اور اقوام سے تعلقات کے قیام میں کچھ بنیادی اصولوں اور مقاصد کو پیشِ نظر رکھتی ہے اور انہیں متعین کرتی ہے۔اسی بنا پر ہر ملک اور قوم اپنی خارجہ حکمت عملی (Policy) مرتب کرتے ہیں۔کوئی بھی ریاست اس سے مستثنیٰ نہیں رہ سکتی۔

اسلامی ریاست بین الاقوامی سطح پر تعلقات کے قیام کا ایک مربوط اور مکمل ڈھانچہ رکھتی ہے جس کی بنیاد قرآن وسنت پر ہے اور یہ اسوہ حسنہؐ اور صحابہ کرامؓ کے عملی اقدامات سے آراستہ ہے۔اسلام نے عالمی تعلقات اور خارجہ امور کے باب میں شریعت کا پابند بنایا ہے جو عدل، مساوات، ایفائے عہد، نظریاتی آزادی اور اخلاقی اصولوں پر استوار ہے۔ریاستِ مدینہ نے ہر دو حالتوں امن اور جنگ میں عالمی سطح پر تعلقات کا قیام ممکن بنایا اور ان دو حالتوں کے الگ الگ احکامات، قوانین، قواعد وضوابط وضع ہوتے گئے جن کی روشنی میں ایک اسلامی ریاست اپنے خارجہ تعلقات کی بنا رکھ سکتی ہے۔

اسلامی عقیدہ تمام مسلمانوں کو نہ صرف ایک ہی روحانی اور مادی معاشرے کے مساوی ارکان گردانتا ہے بلکہ اس کے مطابق تمام بنی نوع انسان بلا امتیاز نسل ومذہب مساوی حیثیت سے پیدا کیے گئے ہیں۔اس کا مطلب یہی ہے کہ صرف اسلامی ممالک کے مابین ہی نہیں بلکہ دنیا کے تمام ممالک کے ساتھ بین الاقوامی تعلقات قائم کیے جاسکتے ہیں۔قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (1)

”ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔بے شک تم میں اللہ کے نزدیک عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔“

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا﴾ (2)

---

(1) الحجرات ۴۹:۱۳

(2) آل عمران ۳:۱۰۳

”اوراللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑلواور فرقہ فرقہ نہ ہو جاؤاور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر کی۔ جب تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے۔ پس اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے۔“

نبی اکرم ﷺ کو ساری انسانیت کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ (1)

”کہہ دیجیے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔“

اسلام اپنے پیروکاروں کو دین کے بارے میں سختی اور جبر سے منع کرتا ہے:

﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ﴾ (2)

”دین میں کوئی جبر نہیں، بے شک ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔“

اس تصور کی بنا پر مسلمانوں کو غیر مسلموں سے حکمت، اچھی نصیحت اور مجادلہ احسن کے ساتھ دعوت دینے کی تلقین کی گئی:

﴿ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ (3)

”اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت، عمدہ نصیحت اور اچھے طریقے سے دعوت دیجیے۔“

سورہ عنکبوت میں اہل کتاب کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کرنے کی ہدایت کی گئی ہے:

﴿وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ (4)

”اور اہل کتاب سے اچھے طریقے سے بحث کیجیے۔“

---

(1) الاعراف ۱۵۸:۷

(2) البقرہ ۲۵۶:۲

(3) النحل ۱۲۵:۱۶

(4) العنکبوت ۴۶:۲۹

اسلام نہ صرف قوموں کے تنوع کا احترام کرتا ہے بلکہ قرآن مجید تمام ادیان ومذاہب میں واحد ایسی کتاب ہے جو دوسرے مذاہب کے وجود کو تسلیم کرتی ہے۔اس میں اہل کتاب، یہود، عیسائیوں، صابئین، مشرکین اور ملحدین سب سے خطاب کیا گیا ہے۔اسی لحاظ سے یہ ان تمام مذہبی عقائد اور نظریات کو بھی بیان کرتی ہے جو اس وقت دنیا میں پائے جاتے ہیں۔اس طرح اسلام کی تعلیمات ایک اسلامی ریاست کی مکمل رہنمائی کرتی ہیں کہ وہ دیگر عقائد اور مذاہب کے حامل اور ماننے والوں کے ساتھ کس طرح کے تعلقات رکھے چاہے وہ اس کے ساتھ معاہدین ہوں یا اس کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات سے دور رہنے والے ممالک ہوں، وہ غیر جانب دار رہنا چاہتے ہوں یا جو اس کے ساتھ عداوت اور مخاصمت کا رویہ رکھنا چاہتے ہوں، ان سب کے بارے میں رہنمائی فراہم کی گئی ہے۔[1]

متاخرین فقہاء کے نزدیک اسلام کے خارجہ تعلقات کی بنیاد امن ہے، جنگ نہیں، ایک اہم اصول ہے۔اس اصول کو اسلام کی روح اور کتاب و سنت کی تعلیمات کے عین مطابق گردانتے ہوئے اس پر سیر حاصل بحثیں کی گئی ہیں۔وھبہ الزحیلی اس بارے میں لکھتے ہیں کہ بے شک اسلام میں عالمی تعلقات میں اصل امن ہے جب تک اسلامی ممالک، مبلغینِ اسلام اور شعائرِ اسلام پر دشمن حملہ آور نہ ہوں اور نہ ہی مسلمانوں کے دین کو خطرہ ہو اور جب یہ صورحال پیدا ہو جائے تو اس وقت جنگ ایک ضرورت بن جاتی ہے تاکہ اپنے نفس، مال اور عقیدہ کا دفاع کیا جائے، کیونکہ دارالاسلام سلامتی سے مشتق ہے۔اسی طرح مسلمانوں کا تحیہ بھی اسلام ہے، اللہ بھی سلامتی والا ہے اور جنت کا نام بھی دارالسلام ہے۔اس لیے مسلمانوں کی زندگی سلامتی کے بغیر پھل پھول نہیں سکتی۔[2] اسلام کا اصل نقطہ نظر تو صلح ہے ۔امن و صلح کے باب میں اسلام کا دامن اتنا وسیع ہے کہ اگر برسرپیکار قوم کا کوئی فرد اپنی جان بچانے کے لیے یا امن و صلح کی خاطر اسلام کا اظہار کر دے تو اس پر کسی قسم کا شبہ کرنے کی اجازت بھی نہیں ہے چہ جائیکہ اس کی جان لی جائے۔

امت مسلمہ ایک عالمی کردار رکھتی ہے اور چونکہ اس کا سابقہ تمام ادیان ومذاہب خصوصاً یہود ونصاریٰ کے ساتھ پیش آتا رہتا ہے، اسی لیے اس کو اس بارے میں خصوصی ہدایات اور احکام دیے گئے ہیں۔چونکہ تاریخی لحاظ سے یہودی پہلے ہیں اس لیے سورہ بقرہ میں یہود اور بنی اسرائیل کی تاریخ اور عقائد پر جامع تبصرہ کیا گیا ہے۔جن وجوہات کی بنا پر یہود گمراہیوں کا شکار ہوئے ان کا ذکر اسی سورہ میں وضاحت سے کیا گیا ہے۔جبکہ سورہ آل عمران میں عیسائیوں اور نصاریٰ کا ذکر آیا ہے جو کہ یہودی مذہب کے بعد کی پیداوار ہیں۔اس سورہ میں ان کی تاریخ اور عقائد کو بیان کیا گیا ہے۔وہ مسائل

(1) غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، "بین الاقوامی تعلقات کا اسلامی قانون: بنیادیں اور آج کی دنیا سے تعلق"، مغرب اور اسلام، جلد ۱۴، شمارہ ۲، ص ۹۰

(2) وھبہ الزحیلی، الدکتور، العلاقات الدولیۃ فی الاسلام، موسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۹۸۱ء، ص ۱۰۲

جن کی بنا پر عیسائی گمراہی کا شکار ہوئے،ان کی یاد دہانی اس میں کروائی گئی ہے۔ نیز اخلاقی ہدایات بھی دی گئی ہیں۔ سورہ بقرہ میں عیسائیوں کا تذکرہ زیادہ نہیں ہے اور سورہ آل عمران میں یہودیوں کا زیادہ ذکر نہیں ملتا ہے۔

آغاز اسلام میں مسلمانوں کا زیادہ سابقہ کفار و مشرکین عرب سے پیش آتا رہا۔ مدنی دورِ رسالتؐ میں یہود سے بھی معاملات در پیش آتے رہے۔ جزیرہ عرب سے ان کی بے دخلی کے بعد ایران کے مجوسیوں اور دیگر اقوام کے ساتھ مقابلہ ہوتا رہا۔ان کے مٹ جانے کے بعد صرف یہی دو قومیں ایسی تھیں جن سے مسلمانوں کو اس دور سے کر اب تک واسطہ اور سابقہ پیش آتا رہا ہے۔ گویا مسلمانوں کو اپنا بین الانسانی اور بین الاقوامی کردار ادا کرنے کے لیے جن دو اقوام یہودیوں اور عیسائیوں سے سب سے زیادہ واسطہ پیش آنا تھا،ان سے مقابلہ کے لیے مسلمانوں کو تیار کرنا حکمت الٰہی کا منشا تھا۔امت مسلمہ کے عالمگیر کردار میں یہ بات بنیادی طور پر شامل ہے کہ ان کا ایک طویل عرصے تک یہودیوں اور عیسائیوں سے واسطہ رہے گا،مقابلے کی نوعیت پیش آتی رہے گی، تصادم ہوتا رہے گا اور اس تصادم کے لیے یہ دونوں سورتیں مسلمانوں کو ذہنی و عملی طور پر تیار کرتی رہیں گی۔[1]

غیر مسلموں کی اقسام بلحاظ روابط

قرآن پاک اسلوب کی بنا پر غیر مسلموں کو بنیادی طور پر دو اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:۔

(ا)۔ پہلی قسم ان غیر مسلموں کی ہے جو الہامی مذاہب کی پیروی کے دعوے دار ہیں۔انہیں اہل کتاب بھی کہا جاتا ہے۔ان کے بنیادی عقائد میں توحید، رسالت، عقیدہ آخرت وغیرہ شامل ہیں۔اس لحاظ سے یہ مسلمانوں کے قریب اور ان سے مشابہت میں ملتے ہیں کیونکہ ان کے بنیادی تصورات کسی نہ کسی طرح ان سے مماثلت رکھتے ہیں جن پر اسلام کی اساس ہے۔

(ب)۔دوسری قسم میں ایسے تمام غیر مسلم شامل ہیں جو کہ الہامی مذاہب سے تعلق نہیں رکھتے جیسا کہ زرتشت، بدھ مت، ہندو مت وغیرہ۔ لیکن کچھ ایسے مذاہب بھی ہیں جو بعض امور میں اہل کتاب سے مشابہ ہیں۔ دور نبویؐ میں جب بحرین کے لوگ اسلام قبول کر کے مدینے آئے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ ہمارے علاقہ میں آتش پرست اور مجوسی بھی موجود ہیں۔ان کے بارے میں ہمارا طرز عمل کیسا ہونا چاہیے؟ آپؐ نے فرمایا:۔

(1)غازی، محمود احمد، اسلام اور مغرب تعلقات، زوار اکیڈمی پبلیکیشنز ناظم آباد کراچی، ۲۰۱۹ء، ص ۵۱-۵۳

"سنوابھم سنة أھل الکتاب غیر ناکحی نساءھم ولااکل ذبائحم-"(1)

(مجوسیوں کے ساتھ وہی معاملہ اور طرز عمل رکھو جو اہل کتاب کے ساتھ رکھتے ہو لیکن نہ ان کی عورتوں سے نکاح کرو اور نہ ان کا ذبیحہ کھاؤ۔)

اس طرح باقی معاملات میں بھی ان کو اہل کتاب کے درجہ میں دیکھا جائے گا۔حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں جب زرتشتیوں اور آتش پرستوں سے معاملہ درپیش ہوا تو صحابہ کرامؓ کے مشورہ سے ان کو مشبہ اہل کتاب کی حیثیت سے دیکھا گیا۔اس کے بعد عام کفار آتے ہیں جو بت پرست یا عام کافر ہوتے ہیں لیکن کسی نہ کسی طور پر مذہب کے قائل ہوتے ہیں۔ان کے علاوہ ایسے لوگ جو خدا کے وجود کے قائل نہ ہوں یا سرے سے اس کو نہ مانتے ہوں۔سب سے آخری درجہ پر مشرکین عرب تھے۔یعنی وہ کفار و مشرکین جو نبی اکرمﷺ کے مدعو تھے لیکن انہوں نے اسلام سے کوئی فیض حاصل نہ کیا بلکہ اپنے کفر و شرک پر ڈٹے رہے۔ان کے بارے میں قرآن پاک میں سورہ توبہ میں سخت احکام بیان کیے گئے ہیں۔ان کے لیے درج ذیل تین شرائط رکھی گئیں ہیں:۔

ا۔وہ اسلام قبول کرلیں۔

ب۔یا جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔

ج۔یا جزیرۃ العرب سے نکل جائیں۔

یہ احکام مشرکینِ عرب کے لیے خاص تھے۔ان میں کہا گیا ہے کہ آج کے بعد ان سے کوئی رعایت روا نہیں رکھی جائے گی۔(2) سورہ توبہ میں اس بارے میں ارشاد ہے:

﴿فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (3)

---

(1) ابن ابی شیبہ، عبداللہ بن محمد، المصنف، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۹۹۵ء، ۴۸۸/۳؛ المرغینانی، ابوالحسن علی بن ابی بکر، الهدایة فی بدایة المبتدی، ایچ ایم سعید کراچی ۱۹۸۹ء، فصل فی بیان المحرمات، ۱۸۶/۱

(2) شبلی نعمانی، سیرت النبیﷺ مکتبہ اسلامیہ اردو بازار لاہور، ۲۰۱۲ء، ۲۱۲/۴

(3) التوبہ ۹:۵

”پس جب حرام مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو اور انہیں پکڑو اور گھیرو، ہر گھات میں ان کی خبر لینے کے لیے بیٹھو، پس اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو انہیں چھوڑ دو۔ بے شک اللہ تعالی بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔“

غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کے ذیل میں عملی لحاظ سے ایک تقسیم اور بھی کی گئی ہے۔ یہ تقسیم اس اصول پر ہے کہ عملی طور پر مسلمانوں کے ان کے ساتھ تعلقات کس نوعیت کے ہونے چاہییں :۔

1۔ وہ غیر مسلم ریاستیں اور اقوام جو اسلام اور اسلامی عقائد و نظامِ حیات کی تبلیغ و ترویج میں رکاوٹ نہ بنیں اور ان کا مجموعی طرزِ عمل دشمنی پر مبنی نہ ہو، ایسے غیر مسلموں کے بارے میں قرآن پاک میں فرمایا گیا:

﴿لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ (1)

"اللہ تعالیٰ تمہیں منع نہیں فرماتا کہ تم ان لوگوں سے جنہوں نے تمہارے ساتھ دین کے بارے میں لڑائی نہیں کی اور نہ ہی تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا، نیکی کرو اور انصاف کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

ایسے غیر مسلموں سے تعلقات قائم کرتے وقت ان سے رازداری کے امور ظاہر نہیں کرنے چاہییں ۔اس بارے ارشاد ہے:

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (2)

”مومنوں کو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہیں بنانا چاہیے۔“

2۔ غیر مسلموں کے ایسے ممالک جو اسلامی ریاست کے معاہدین ہوں۔ یعنی مسلمانوں اور اسلامی ریاست کا ان سے کوئی معاہدہ ہو چکا ہو اور اس معاہدہ کے تحت فریقین نے فرائض اور ذمہ داریاں حدودِ شریعت کے اندر رہتے ہوئے باہمی طور پر طے کر لی ہوں۔ ایسے معاہدات کے ذریعے تعلقات کی نوعیت واضح طور پر طے ہو جاتی ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے ان معاہداتِ امن و صلح کی پابندی نہایت ضروری تصور کی جاتی ہے۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

---

(1) الممتحنہ ۸:۶۰

(2) آل عمران ۲۸:۳

"واذ رأى الامام ان يصالح اهل الحرب او فريقاًمنهم وكان فى ذلك مصلحة للمسلمين فلا بأس به لقوله تعالىٰ: وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ، وداع رسول اللهﷺاهل المكة عام الحديبية على ان يضع الحرب بينه وبينهم عشر سنين ولأن الموادعة جهاد معنا اذا كان خيراً للمسلمين لأن المقصود هو دفع الشر حاصل به-"[1]

(اور اگر امام کی رائے یہ ہو کہ وہ اہل حرب یا ان میں سے کسی گروہ سے مصالحت کرلے اور اس میں مسلمانوں کی مصلحت بھی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اور اگر اہل حرب مفاہمت کا ارادہ کریں تو آپ کو بھی کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسا کیجیے، اور اس لیے رسول اللہﷺ نے حدیبیہ کے سال اہل مکہ سے اس بات پر صلح فرمائی تھی کہ آنحضرتﷺ اور ان کے درمیان دس سال تک کوئی جنگ نہ ہوگی اور موادعہ بھی ماحصل کے اعتبار سے جہاد ہے کیونکہ جہاد کا مقصد دفع شر ہے جو اس طرح بھی حاصل ہوتا ہے۔)

چونکہ اسلامی ریاست کے قیام کے مقاصد میں فتنہ وفساد اور جنگ وجدل کا خاتمہ اور امن وسلامتی کا قیام شامل ہے تاکہ ایسی پرامن فضا اور ماحول میسر آسکے جس میں اشاعتِ اسلام اور اعلائے کلمۃ اللہ کے مواقع موجود ہوں نہ کہ ایسے مواقع کو ضائع کردیا جائے۔ اس لیے ان کے ساتھ امن کی بنیاد پر خارجہ تعلقات قائم ہوں گے۔ اسی بات کو آپؐ نے یوں بیان کیا ہے:

"لا تتمنوالقاء العدو وسلواالله العافية فاذا لقيتموهم فاصبروا-"[2]

(دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا مت کرو اور اللہ سے سلامتی طلب کرو۔ جب تمہارا دشمن سے سامنا ہو تو صبر کے ساتھ مقابلہ کرو۔)

"العلاقات الدولیۃ فی الاسلام" کے فاضل مصنف نے حضرت علیؓ کا ایک قول اس بارے میں نقل کیا ہے:

"ولقد كانت حربهم لاطمينان على امرين ديارهم من ان تغزى ودينهم من ان يطمس-"[1]

(1) المرغینانی، ابوالحسن، علی بن ابو بکر، الہدایۃ فی بدایۃ المبتدیٰ، ایچ ایم سعید کراچی ۱۹۸۹ء، ۱۵۶/۲

(2) البخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح المسند المختصر من أمور رسول اللہﷺ وسننہ وأیامہ، دارالسلام لوئرمال لاہور، ۱۴۳۳ھ، کتاب الجهاد والسیر، باب لاتتمنوالقاء العدو، حدیث رقم ۲۸۰۱؛ القشیری، مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱۹۶۱ء، کتاب الجہاد والسیر، باب کراهة تمنی لقاء العدو، حدیث رقم: ۴۵۴۱

(مسلمانوں کی جنگ دو باتوں کے اطمینان کے لیے ہے،ایک یہ کہ ان کی بستیوں پر کوئی جنگ نہ مسلط کی جائے اور دوسری یہ کہ ان کے دین کو مٹانے کی کوشش نہ ہو۔)

امام سرخسیؒ نے تعلقات کے باب میں یہ فقہی قاعدہ بیان کیا ہے:

"الامر بيننا وبين الكفار مبنى على المجازاة۔"[2]

(ہمارے اور کفار کے مابین تعلقات مجازات کے اصول پر ہوں گے۔)

3۔غیر مسلم ممالک کی ایک قسم وہ ہے جو دعوت دین اور اسلامی نظام کے راستے میں صریح رکاوٹ ڈال رہے ہوں۔خواہ یہ رکاوٹ کسی بھی صورت میں ہو تو ان کا مقابلہ جہاد سے کیا جائے گا۔جہاد کا مقصد فتنہ وفساد کا خاتمہ اور فکراور رائے کی آزادی مقصود ہے نہ کہ کسی کو جبراً دائرہ اسلام میں داخل کرنا ہے۔حالت جنگ میں تعلقات کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ان سے لین دین کے احکام میں تبدیلی آجاتی ہے۔اسی طرح جن لوگوں سے جنگ کی حالت در پیش آجائے تو ان کے معاملات کی نوعیت، جنگ کی نوعیت اور صورت حال کے مطابق ہو گی۔[3]

دارالحرب سے تعلقات

دارالحرب کی اصطلاح سے مراد ایسا ملک یا ریاست ہے جس میں اقتدار اعلیٰ اور دفاع کا حق مسلمانوں کے پاس نہ ہو۔اس طرح اس کے باشندوں اور حکمرانوں سے مسلمانوں کا کوئی معاہدہ نہ ہو۔ابوزہرہ اس بارے میں لکھتے ہیں:۔

"ان دارالحرب هى دارالتى لايكون فيها السلطان والمنعة للحاكم المسلم ولايكون عهد بينهم وبين المسلمين يرتبط به المسلمون ويقيدهم فالعبرة عنداصحاب هٰذا الرأى الى المنعة والسلطان فما دامت الدار خارجة عن منعة المسلمين من غيراحد فهي دار حرب۔"[4]

(1)وھبہ الزحیلی،العلاقات الدولیۃ فی الاسلام،ص ۳۰

(2)السرخسی،أبو بکر محمد بن احمد بن أبی سہل،شرح کتاب السیر الکبیر (تحقیق:الدکتور حسن اسماعیل الشافعی) دار الکتب العلمیۃ بیروت،۱۹۹۷ء،۲۱۳/۵

(3)غازی،محمود احمد،ڈاکٹر،اسلام کا قانون بین الممالک،شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد،۲۰۱۴ء،ص ۳۲۱

(4)ابوزہرہ،محمد،العلاقات الدولیۃ فی الاسلام،دار الفکر القاھرۃ،سن ندارد،ص ۱۱۶

(بے شک دار الحرب وہ ہے جس میں حکومت اور دفاع مسلمان حاکم کے ہاتھ میں نہ ہو اور نہ ان کے درمیان کوئی عہد ہو جس کے مسلمان پابند اور مقید ہوں۔اس رائے کے قائلین کا مطلب یہ ہے کہ جب تک ملک مسلمانوں کے اقتدار سے خارج ہو تو وہ دار الحرب ہو گا۔)

دار الحرب کی اصطلاح عارضی اور مؤقت ہے کیونکہ اس عارض کے دفع ہونے سے اس کے احکامات اور حیثیت میں تبدیلی آجاتی ہے۔اس لیے جب غیر اسلامی مملکت کے ساتھ اسلامی ریاست کا کوئی سیاسی، معاشی یا امن و صلح کا کوئی معاہدہ ہو جاتا ہے تو دونوں ممالک کے احکامات بدل جاتے ہیں۔اب اس کی حیثیت دار الحرب کی بجائے دار العہد کی بن جائے گی:

"فان كان الحكم حكم الموادعين فبظهورهم على الاخرىٰ كانت الدار دارموادعة-"[1]

(دار الحرب صرف وہ ملک ہو سکتا ہے جس کے ساتھ اسلامی ریاست کا کسی قسم کا معاہدہ صلح نہ ہو۔)

یہاں جنگ ہونے یا اور حالت جنگ کے جاری ہونے سے مراد یہ نہیں ہے کہ دونوں فریقین کی فوجیں بالفعل بر سر پیکار ہوں۔بلکہ اس سے مراد محض نظری جنگ یعنی State of War ہے جسے حالت جنگ کہا جاتا ہے۔اس میں کبھی چھوٹی موٹی جھڑپیں ہو جاتی ہیں اور کبھی رک جاتی ہیں۔اس حالت جنگ کے دوران میں اس ملک کے وہ لوگ جو جنگ کرنے آئے ہوں یا کسی بھی حیثیت سے جنگ میں حصہ لے رہے ہوں، ان کے احکام الگ ہیں۔ایسے لوگ حربی یا اہل حرب کہلاتے ہیں۔[2] اسلام میں جنگ ایک ضرورت کے تحت ہی کی جاسکتی ہے۔بصورتِ دیگر اس سے گریز ہی کرنا چاہیے:

"ان الحرب ضرورة لايجاد السلم ومن ارادالسلم استعد للحرب فالضرورة تقدر بقدرها-"[3]

(بے شک جنگ صلح کے قیام کے لیے ضرورت ہے اور جو کوئی صلح چاہتا ہے تو اس کو چاہیے کہ جنگ کے لیے تیار رہے۔البتہ ضرورت، ضرورت کی حد تک محدود ہوتی ہے۔)

اسوہ حسنہؐ سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے مکہ کے دار الحرب ہونے کے باوجود قحط کے دوران مدینہ کی کھجوریں بھجوائیں اور اس کے عوض ان سے طائف کا چمڑا حاصل کیا۔[1] گویا دار الحرب ہونے کے

---

(1) شرح کتاب السیر الکبیر، ۲۱۹/۵

(2) اسلام کا قانون بین الممالک، ص ۳۲۱

(3) وھبہ الزحیلی، الدکتور، آثار الحرب فی الفقہ الاسلامی، دار الفکر دمشق، ۱۴۱۹ھ، ص ۱۳۱

باوجود تجارتی تعلقات رکھے جاسکتے ہیں۔اس طرح آپ ﷺ نے اہل یمن کو بھی اہل مکہ سے تجارت جاری رکھنے کے احکامات دیے۔وھبہ الزحیلی اس بارے میں لکھتے ہیں:

"وانما كانت مبادلات تجارية بين الطرفين-"(2)

(اہل آرمینیا کے ساتھ باہمی تجارتی مبادلات دونوں طرف موجود تھے۔)

امام محمدؒ کا یہ فقہی اصول پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اہلِ کفر اور غیر مسلم ریاستوں کے ساتھ تعلقات قانون مجازات کے تحت استوار ہوں گے۔اسی اصول کی بنا سفارتی، تجارتی، پروٹوکول، سفری اور مراعات کے امور باہمی طور پر طے کیے جاسکتے ہیں۔ان روابط کے ساتھ ساتھ اسلامی ریاست دارالحرب کے باشندوں کو امان بھی دے سکتی ہے۔موجودہ دور میں یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی ریاست کسی دوسری ریاست کے باشندے کو ویزے کی سہولت دیتی ہے۔اس صورت میں اس کی جان ومال کی حفاظت کی ذمہ داری اسلامی ریاست پر عائد ہوگی۔

"المستأمن بمنزلة الذمى فى دارنا-"(3)

(مستامن ہمارے پاس یعنی دارالاسلام میں ذمی کی مانند ہے۔)

اس طرح اس کی آمدورفت پر بھی کوئی پابندی نہیں لگائی جائے گی۔اگر اسلامی ریاست کے اثاثہ جات جن میں دفاتر، تعلیمی اور صحت کے مراکز، سفارت خانے، ائیر لائنز وغیرہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے تو یہ اس سابقہ امان کے ساتھ کام کرتے رہیں گے جو حالتِ امن میں اس کے قیام کے وقت اس ملک کے ساتھ طے ہوئے تھے۔(4)

غیر مسلموں سے روابط کی حدود

اسلامی تعلیمات غیر مسلموں سے عام انسانی اور اخلاقی روابط سے منع نہیں کرتیں لیکن وہ یہ تقاضا ضرور کرتی ہیں کہ وہ کسی دوسرے گروہ میں ضم نہ ہوجائیں۔اس مقصد کے لیے اس نے غیر مسلموں سے تعلقات کی استواری میں کچھ

(1)ابوعبید، قاسم بن سلام، کتاب الاموال، دارالجامعات مصر، ۱۹۸۰ء، ص ۶۳۱

(2)آثار الحرب، ص ۱۷۶

(3)شرح کتاب السیر الکبیر، ۱۲۹/۵

(4)وھبہ الزحیلی، الدکتور، الفقہ الاسلامی وادلتہ، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، ۲۰۰۰ء، ص ۶۴۲۶/۸

حدود وقیود مقرر کی ہیں۔[1] اگرچہ اسلام تعلقات کے باب میں رواداری کا قائل ہے لیکن وہ دین ومذہب اور اپنے تشخص کے ضمن میں بڑا محتاط اور متوازن طرز عمل رکھتا ہے۔اس لیے وہ غیر مسلموں سے تعلقات کو استوار رکھنے میں کچھ ہدایات اور رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

یکساں بنیاد

اسلام دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو خصوصاً اہل کتاب کو یکساں بنیاد پر دعوت توحید پیش کرتا ہے۔رسول اکرم ﷺ نے غیر ملکی سربراہانِ ریاست کو جو دعوتی وتبلیغی خطوط روانہ فرمائے،ان میں یہ نہیں لکھا کہ عیسائیت غلط ہے،اسے ترک کردو بلکہ اس میں قرآن کی کریم کی یہ آیت تحریر تھی۔[(2)]

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾ [(3)]

اسی بنا پر آپ ﷺ نے حبش،روم،فارس،مصر،یمامہ،عمان،بحرین،غسان اور دیگر سردارانِ قوم کے پاس اپنے سفراء خطوط دے کر بھیجے تھے۔اہل کتاب بھی آسمانی ہدایت اور تعلیم کے پیروکار ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔اس لیے مشرکین مکہ کے مظالم پر نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی تھی۔آپ ﷺ نے نجاشی کے بارے میں فرمایا تھا کہ جہاں ایک منصف مزاج بادشاہ حکمران ہے اور جس کے ملک میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔[(4)]

ڈاکٹر حمید اللہؒ کے مطابق جب مسلمانوں کو حبشہ کی طرف رسول اکرم ﷺ نے ہجرت کے لیے اجازت دی تو اس موقع پر نجاشی کے لیے جو خط دیا گیا تھا،اس میں موجود ایک فقرہ "میں نے تمہارے پاس اپنے چچازاد بھائی جعفر کو بھیجا ہے جس کے ہمراہ چند مسلمان بھی ہیں۔جب وہ تیرے پاس آئے تو ان کی مہمان داری کر۔۔۔"یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ ﷺ نبوت سے پہلے خود حبشہ تشریف لے گئے تھے اور بعض دوسرے تاجروں کی طرح نجاشی سے شخصی تعارف

(1)عمری، جلال الدین، غیر مسلموں سے تعلقات اوران کے حقوق،ادارہ تحقیق وتصنیف علی گڑھ،۱۹۹۹ء،ص ۱۳

(2)محمد ثانی،ڈاکٹر،رسول اکرم ﷺ اور رواداری، فضلی سنز لمیٹڈ کراچی،۱۹۹۸ء،ص ۵۲

(3)آل عمران ٣:٦٤

(4)الحمیری،ابن ہشام،محمد عبدالملک،السیرۃ النبویۃ،دارابن حزم بیروت لبنان،۲۰۰۹ء،ص ۱۴۸

حاصل کیا تھا۔ کیونکہ آپ کا یہ فرمانا کہ وہاں ایک حکمران ایسا ہے جس کے دور میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا، اس پر تائید مزید ہے۔[1]

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ [2]

"بے شک ایمان والے، یہودی، عیسائی اور صابئین میں سے جو اللہ پر، قیامت پر ایمان لایا اور صالح عمل کیا، پس اس کے اجر اس کے رب کے پاس ہے۔ نہ وہ خوف کھائیں گے اور نہ ہی غمگیں ہوں گے۔"

ڈاکٹر حمید اللہؒ اس آیت کریمہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"صلح کل، رواداری اور انتہائی وسعت قلبی کی اس عجیب وغریب تعلیم میں کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا ہے کہ یہودی، عیسائی اور صابی یا دیگر مذاہب کے لوگ اپنے اپنے مذہب کو ترک کر دیں بلکہ اپنے اپنے الہامی مذہب ہی کی تجدید کرتے ہوئے چند بنیادی امور پر عمل کریں یعنی اللہ اور رسولؐ کو ماننا، مرنے کے بعد حساب کتاب کا یقین کرنا اور زندگی بھر عمل صالح کرنا، یہ اجر ملنے اور خوف سے بچنے کے لیے کافی ہے۔ حقیقت میں یہ ایک عرصے سے بنیادی مذہب مرتب کرنا تھا۔"[3]

رازدار دوست بنانے کی ممانعت

قرآن وسنت میں جہاں غیر مسلموں سے رواداری، ہمدردی اور خیر خواہی کا رویہ اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے وہیں ان کے ساتھ رازونیاز اور دوستی رکھنے سے منع کیا گیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ [4]

---

(1) حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی، نگارشات پبلشرز اردو بازار لاہور، ۲۰۱۳ء، ص ۱۱۴

(2) البقرہ ۲:۶۲

(3) رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۲۸۶-۲۸۷

(4) المائدہ ۵:۵۱

"اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو تم میں سے ان کو دوست بنائے گا وہ انہی میں سے ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

تاہم ایک آیت میں یہود و مشرکین کی نسبت نصاریٰ کو مسلمانوں سے زیادہ قریب بیان کیا گیا ہے:

﴿لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَى ذَلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ﴾ (1)

"تم ایمان والوں کی دشمنی میں یہودیوں اور مشرکین کو بہت شدید پاؤ گے اور ایمان لانے والوں کے لیے دوستی میں قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ ان میں عبادت گزار اور تارک الدنیا فقیر پائے جاتے ہیں اور ان میں غرورِ نفس نہیں ہے۔"

رسول اکرم ﷺ کے دور میں یہود و نصاریٰ کا بیشتر گروہ مشرکین مکہ اور منافقین کے ساتھ مل کر اسلامی ریاست کے عدم استحکام میں کی گئی کوششوں اور سازشوں میں حصہ دار بن گیا تھا۔ یہود درپردہ مسلمانوں اور ریاست مدینہ کے خلاف معاندانہ سرگرمیوں میں ملوث رہتے تھے۔ وہ آپ ﷺ سے کیے گئے معاہدات توڑ کر آمادہ جنگ ہو گئے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ﴾ (2)

"اے ایمان والو! تم اپنا ولی دوست ایمان والوں کے سوا اور کسی کو نہ بناؤ، (تم تو) نہیں دیکھتے دوسرے لوگ تمہاری تباہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے، وہ تو چاہتے ہیں کہ تم دکھ میں پڑو، ان کی عداوت تو ان کی زبان سے بھی ظاہر ہو چکی ہے اور جو ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے، وہ بہت زیادہ ہے۔"

سورہ مائدہ میں ان کے منافقانہ طرز عمل اور اسلام دشمنی کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿وَإِذَا جَاءُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَقَدْ دَخَلُوا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ﴾ (3)

---

(1) المائدہ ۵:۸۲

(2) آل عمران ۳:۱۱۸

(3) المائدہ ۵:۶۱

"اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ وہ کفر لیے ہوئے ہی آئے تھے اور اسی کفر کے ساتھ ہی گئے بھی اور یہ جو کچھ چھپا رہے ہیں، اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔"

اہل کتاب کا اسلامی شعائر اور تعلیمات کا مذاق اڑانا بھی دوستی سے منع کرنے کا ایک سبب ہے۔ سورہ مائدہ میں ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ () وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَلَعِبًا ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ﴾ (1)

"اے ایمان والو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جو تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنائے ہوئے ہیں (خواہ) وہ ان میں سے ہوں جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے یا کفار ہوں اگر تم مومن ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، جب تم نماز کے لیے منادی کرتے ہو تو وہ اس کا مذاق اڑاتے اور اس سے کھیلتے ہیں کیونکہ وہ عقل نہیں رکھتے۔"

ان معاندانہ سرگرمیوں اور سازشی ذہن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جزیرہ عرب کے اہل کتاب کے بارے میں حکم نازل فرمایا:

﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾ (2)

"جنگ کرو اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے خلاف جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسولؐ نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں کرتے اور دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے (ان سے لڑو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔"

سورہ توبہ ہی میں مشرکین، کفار اور منافقین کے ساتھ سختی سے پیش آنے کا حکم دیا گیا ہے:

﴿فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (1)

---

(1) المائدہ ۵:۵۷-۵۸

(2) التوبہ ۹:۲۹

” (مہلت کے چار مہینے گزرنے کے بعد) پس جب حرام مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں پاؤاور انہیں پکڑلو،ان کا محاصرہ کرلواور ان کی تاک میں ہر گھاٹی میں جا بیٹھو۔ہاں اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو تم ان کی راہیں چھوڑ دو۔یقیناًاللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔“

درج بالا آیات کے اطلاق کی دوصورتیں ممکن ہیں۔ایک تو یہ کہ اسے عام حکم مانتے ہوئے اس کا اطلاق ہر دور اور ہر علاقے کے یہودونصاریٰ پر کیاجائے۔جبکہ دوسرا یہ کہ اسے حکمِ خاص تسلیم کرتے ہوئے اس کا اطلاق خاص دوراور خاص علاقے کے اہل کتاب اور مشرکین پر کیاجائے۔جب قرآن کریم کی دوسری نصوص کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اگران احکام کو عام مانا جائے تو ان سے ان کا ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے۔جیسا کہ اہل کتاب کا کھانااور ان کی عورتوں سے شادی کی اجازت دی گئی ہے۔یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ معاشرتی تعلقات کے بغیر یہ امورانجام نہیں پا سکتے اور باہمی میل جول سے ہی ان کی تکمیل ممکن ہے۔اس لیے اگر دوستی نہ ہوگی تو باہمی میل جول کس طرح ممکن العمل ہو سکے گا۔

سورہ توبہ جہاد کی سورہ ہے۔اس میں منافقین، مشرکین اور کفار کے بارے میں ان کے طرز عمل کا ذکر کرتے ہوئے احکام بیان کیے گئے ہیں۔ان تمام گروہوں نے مل کر اسلامی ریاست کے لیے ایساماحول اور حالات پیدا کردیے تھے کہ ان کے ساتھ جنگ اور قتال کے علاوہ کوئی اور چارہ کار ہی نہ رہا تھا۔قرآن کریم میں ان حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

﴿كَيْفَ وَإِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً يُرْضُونَكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَى قُلُوبُهُمْ وَأَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ () اشْتَرَوْا بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِهِ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ () لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ () فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَنُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ﴾ (2)

”ان لوگوں کے ساتھ عہد وپیمان کیسے باقی رہ سکتا ہے جن کا حال یہ ہے کہ تم پر قابو پاجائیں تو نہ تمہارے معاملے میں کسی قرابت کا لحاظ کریں نہ کسی معاہدہ کی ذمہ داری کا۔وہ اپنی زبانوں سے تم کو راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر دل ان کے انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔انہوں نے اللہ کی آیات کے بدلے تھوڑی سی قیمت قبول کرلی۔پھر اللہ کے راستے میں سدِراہ بن کر کھڑے ہوگئے بہت برے کرتوت تھے جو یہ کرتے رہے۔کسی

(1)التوبہ ۹:۵

(2)التوبہ ۹:۸-۱۱

مومن کے معاملہ میں نہ یہ قرابت کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ کسی عہد کی ذمہ داری کا اور زیادتی ہمیشہ انہی کی طرف سے ہوئی ہے۔ پس اگر یہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں اور جاننے والوں کے آیات کھول کر بیان کی جاتی ہیں۔"

انہی اسباب اور حالات کی روشنی میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا:

"لایجتمع دینان فی جزیرۃ العرب-"[1]

(جزیرہ عرب میں دو دین اکٹھے نہ رہیں گے۔)

جہاں کہیں ایسے حالات موجود نہ ہوں اور غیر مسلم بھی مسلمانوں سے جنگ نہ کریں تو ان سے حسن سلوک اور بہتر تعلقات روابط سے منع نہیں کیا گیا۔ وہ آیات جن میں کافروں کے ساتھ دوستی کرنے سے روکا گیا ہے، ان کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے ساتھ امن سے نہ رہیں اور ان کے ساتھ بھلائی نہ کریں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کو رازدار دوست نہ بناؤ کہ جن سے مدد حاصل کرنے لگو اور ان پر اعتماد کرنے لگو جس کے نتیجے میں وہ مسلمانوں کے اندرونی رازوں سے واقف ہو جائیں۔[2] جیسا کہ بیان ہوا:

﴿وَلَنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾ [3]

"یہود و نصاریٰ ہر گز ہر گز راضی نہیں ہوں گے جب تک تم ان کی ملت کا اتباع نہیں کروگے۔"

یہ قرآن پاک کا اعلان اور صیغہ تاکید میں ہے۔ یہاں دین کا اتباع ذکر نہیں بلکہ ملت کا ذکر کیا گیا ہے۔ ملت کے مفہوم میں ثقافت بھی شامل ہے، شعائر بھی شامل ہیں اور اس میں تہذیب بھی شامل ہے۔ جب تک تم مکمل ان کے رنگ میں رنگ نہیں جاؤگے، وہ تم سے راضی نہیں ہوں گے۔[4] سورہ ممتحنہ میں فرمایا گیا ہے:

---

(1) مالک بن انس، امام، الموطا، دار الفکر بیروت لبنان، ۱۹۸۹ء، کتاب الجامع، باب اجلاء الیہود من المدینہ، حدیث رقم: ۱۳۸۸

(2) وھبہ الزحیلی، الدکتور، العلاقات الدولیۃ فی الاسلام، (بین الاقوامی تعلقات: اسلامی اور بین الاقوامی قانون کا تقابلی مطالعہ)، مترجم: مولانا حکیم اللہ، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، ۲۰۱۰ء، ص، ۱۲۹

(3) البقرہ ۲:۱۲۰

(4) اسلام اور مغرب تعلقات، ص ۷۵

﴿لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ () إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَى إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ (1)

"اللہ تعالی تمہیں ان کے ساتھ سلوک واحسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔وہ تمہیں جس بات سے روکتا ہے وہ تو یہ ہے کہ تم ان لوگوں سے دوستی کرو جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اور تمہارے اخراج میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے۔ان سے جو دوستی کریں وہی ظالم ہیں۔"

اس آیت کریمہ میں غیر مسلموں کے ساتھ سلوک کرنے کے بارے میں "بر"کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔یہ ایک ہمہ گیر اصطلاح ہے جو تمام اقسام کے رفاہی کاموں پر محیط ہے۔صدر اسلام میں مسلمانوں کے اسی نوعیت کے تعلقات غیر مسلموں سے قائم رہے ہیں۔اگر محاربہ اقوام سے بھی مسلمانوں کے تعلقات کو دیکھا جائے تو وہاں بھی یہی اصول کارفرما نظر آتا ہے جیسا کہ نجران کے عیسائیوں،مکہ کے قریشیوں،ایرانی آذریوں اور قبطی مصریوں کے ساتھ ہوتا رہا۔(2)

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ جن غیر مسلموں نے مسلمانوں کے ساتھ زیادتی نہ کی ہو اور نہ ہی جنگ وجدل اور سازشوں میں ملوث رہے ہوں،ان کے ساتھ رواداری،ہمدردی،دوستی،عدل وانصاف اور مصالحت کا طرز عمل اختیار کرنے سے منع نہیں کیا گیا۔اسلامی تعلیمات میں دشمنوں اور مخالفوں کے ساتھ جس رویے کی ہدایت کی گئی ہے اسے غیر مسلموں کے ساتھ ایک عام رویہ قرار دینا کسی طور درست نہیں ہے۔یہ تعلیمات تو درگزر،صبر،عفو اور بھلائی پر مشتمل ہیں۔

---

(1) الممتحنہ ۸:۶۰-۹

(2) اسلام کا قانون بین الممالک،ص ۴۱۳

دنیاوی معاملات میں موالات کی اجازت

دینی امور اور اہم ملکی معاملات میں غیر مسلموں کے ساتھ موالات منع قرار دی گئی ہے لیکن دنیاوی معاملات میں جو ضرورت پر مبنی ہوں، ان سے ممانعت نہیں کی گئی۔[1]

اس کی کئی مثالیں ہمیں عہد رسالتؐ اور عہد خلافتؓ میں ملتی ہیں۔ ہجرت مدینہ کے وقت رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کا رہبر عبداللہ بن اریقط غیر مسلم تھا لیکن اس نے آپ حضرات کی راستے میں رہبری کی تھی۔[2] آپ ﷺ نے نجاشی کے دربار میں اپنا جو سفیر عمرو بن امیہ ضمری روانہ فرمایا تھا، وہ اس وقت غیر مسلم تھے۔[3] انساب الاشراف میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے شام کے والی کو لکھا:

"ابعث الينا برومي يقيم لنا حساب فرائضنا-"[4]

(ہمارے پاس ایک رومی کو بھیجیے جو ہمارے مالی فرائض کے حساب کی نظامت کرسکے۔)

موجودہ عہد کے ایک ممتاز عالم دین لکھتے ہیں:

"مسلمان حاکم ہوں یا رعایا فنی امور جو دین سے متعلق نہیں مثلاً طب، صنعت، زراعت وغیرہ میں غیر مسلموں سے تعاون حاصل کر سکتے ہیں اگر ان کے حق میں ہو۔ بہتر یہ ہے کہ وہ ان امور میں خود کفیل ہوں۔"[5]

محاربین اور غیر محاربین کا فرق

اسلام نے غیر مسلموں سے تعلقات کے حوالے سے دو طرح کے رویوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک رویہ تو اسلام کی مخاصمت اور عداوت پر مبنی ہے۔ اس طرح کے لوگوں کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ مسلمان آزادی اور خود مختاری سے نہ رہ سکیں۔ علاوہ ازیں وہ کسی نہ کسی معاملہ میں مسلمانوں سے برسرپیکار رہتے ہیں۔ جبکہ اس کے برعکس ایک دوسرا طرز عمل

(1) وھبہ الزحیلی، الدکتور، تفسیر المنیر، دار الفکر دمشق، ۱۹۹۱ء، ۶/۲۲۷-۲۲۸

(2) ابن سعد، ابو عبداللہ محمد، الطبقات الکبریٰ، دار اصادر بیروت، ۱۹۵۸ء، ۲/۲۰

(3) رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۱۱۷

(4) البلاذری، ابو الحسن احمد بن یحیٰ، انساب الاشراف، دار الکتب العربیۃ بیروت، ۱۹۸۷ء، ص ۲/۲۸۵

(5) یوسف قرضاوی، علامہ، اسلام میں حلال وحرام، اسلامک پبلیکیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ لاہور، ۱۹۹۶ء، ص ۳۹۷

آزادی، حریت فکر و عمل اور ظلم وزیادتی سے اجتناب کا ہوگا۔ سورہ ممتحنہ میں ان دونوں قسم کے افراد کے ساتھ تعلقات کے بارے میں وضاحت سے احکام بیان ہوئے ہیں۔

اسلام گروہ اول کے ساتھ ہمدردی اور غم خواری سے منع نہیں کرتا لیکن رازدارانہ تعلقات اور موالات سے منع کرتا ہے۔ کیونکہ اس سے دشمن کو تقویت ملنے کا احتمال ہوتا ہے۔ جب کہ گروہ ثانی سے ہر قسم کے ہمدردی وتعاون اور حسن سلوک کے تعلقات کی اجازت دی گئی ہے۔[1]

تعلقات کے بنیادی اصول وضوابط

اسلام نہ صرف قوموں کے تنوع کا احترام کرتا ہے بلکہ اس کی الہامی کتاب قرآن تمام مذاہب وادیان میں واحدایسی کتاب ہے جو دوسرے مذاہب کے وجود کو تسلیم کرتی ہے۔اس میں اہل کتاب، یہود، عیسائیوں، صابئین، مشرکین اور ملحدین سب سے خطاب فرمایا گیاہے۔اس طرح اس طرح یہ دیگر مذہبی عقائد اور نظریات کو بھی تسلیم کرتاہے کہ وہ اس کے ساتھ ساتھ اس دنیا میں پائے جاتے ہیں۔قرآن وسنت کی تعلیمات اسلامی ریاست کی مکمل رہنمائی کرتی ہیں کہ وہ دیگر عقائد اور مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ کس طرح کے تعلقات رکھے چاہے وہ اس کے ساتھ معاہدین ہوں یا اس کے ساتھ ہر قسم کے تعلق سے دور رہنا چاہتے ہوں یا جو غیر جانبدار رہنا چاہیں یا جو اس کے ساتھ دشمنی اور مخاصمت کا رویہ رکھنا چاہتے ہوں۔

بے لاگ عدل

اسلام نے نہ صرف قانونی بلکہ معاشرتی لحاظ سے بھی عدل کے قیام کو اہمیت دی ہے۔اس کے سامنے تمام انسان برابر ہیں۔قرآن کریم کی کئی آیات عدل کے متعلق وارد ہوئی ہیں:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾[2]

”بے شک اللہ امانتوں کو ان کے اہل کی طرف لوٹانے کا حکم دیتاہے اور جب تم لوگوں کے مابین فیصلہ کرو تو عدل سے کرو۔“

(1) غیر مسلموں سے تعلقات اوران کے حقوق، ص۵۸-۵۹

(2) النساء۴:۵۸

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ﴾ (1)

"اے ایمان والو! انصاف کے لیے پورے طور پر کھڑے ہو جاؤ، اللہ کے لیے گواہی دینے والے بنو چاہے یہ تمہاری ذات، والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔"

ایک اسلامی ریاست کا یہ فریضہ ہے کہ وہ ظلم کو ختم کر کے عدل وانصاف کی علمبردار بنے۔ مجیب اللہ ندوی لکھتے ہیں کہ اسلام کے نزدیک دنیا کے عام ضابطہ عدل وانصاف کی طرح یہ صرف ایک قانونی ضابطہ ہی نہیں ہے بلکہ یہ اس کے ساتھ ساتھ ایک اخلاقی ذمہ داری بھی ہے۔ اسلام عدل کو صرف عدالت تک ہی محدود نہیں رکھتا بلکہ وہ انفرادی، معاشرتی اور اجتماعی زندگی کے ہر پہلو میں اس کی تلقین کرتا ہے۔ وہ فرد کی طرح بین الاقوامی معاملات میں بھی اس کی نگرانی کرتا ہے۔(2) سورہ حدید میں رسولوںؑ کی بعثت کا مقصد ہی عدل وقسط بیان کیا گیا ہے:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (3)

"بے شک ہم نے اپنے رسولوںؑ کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ عدل وقسط پر قائم ہوں۔"

اسلامی تعلیمات فرد اور ریاست دونوں کو عدل وانصاف پر قائم رہنے کا حکم دیتی ہیں۔ اس سلسلہ میں دوستی اور دشمنی کا فرق بھی روا نہیں رکھا گیا ہے۔ وہ دوست، دشمن اور مسلم، غیر مسلم سب کے ساتھ اس کو اختیار کرنے کا پابند بناتی ہیں اور اس سے ہٹنے نہیں دیتیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى﴾ (4)

---

(1) النساء۱۳۵:۴

(2) اسلام کے بین الاقوامی اصول وتصورات، ص۵۹-۶۰

(3) الحدید۲۵:۵۷

(4) المائدہ۸:۵

"اے ایمان والو! اللہ کے لیے کھڑے ہونے والے اور انصاف کے لیے گواہی دینے والے بن جاؤ۔ کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ عدل وانصاف سے کام لو، یہ تقویٰ کے قریب تر ہے۔"

اسلامی تاریخ غیر مسلموں سے عدل وانصاف کی بے مثال واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ رسول اکرم ﷺ اور خلفائے راشدینؓ نے ہمیشہ غیر مسلموں چاہے افراد ہوں یا قوم، سے عدل وانصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا۔ کتاب الخراج میں ہے:

"ان رجلامن المسلمین قتلا رجلا من اھل الکتاب فرفع الی النبیﷺ،فقال رسول اللہﷺ: انا حق من وفی بذمته ثم امر به فقتل-"(1)

(ایک مسلمان نے ایک اہل کتاب کو قتل کر دیا اور اس کا مقدمہ فیصلہ کے لیے نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں اہل ذمہ کا حق ادا کرنے کا سب سے زیادہ ذمہ دار ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے قاتل کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ پس اسے قتل کر دیا گیا۔)

فتوح البلدان میں ہے کہ اہل سمرقند نے عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس سمرقند کی فتح کے سلسلہ میں اپنا مقدمہ بھیجا تو آپؒ نے جمیع بن حاضر الباجی کو اس کا قاضی مقرر کیا۔ انہوں نے دونوں فریقوں کے بیانات سن کر فیصلہ سنایا کہ مسلمانوں کی فوج سمرقند چھوڑ کر باہر نکل جائے کیونکہ اس نے بغیر پیشگی تنبیہ کے حملہ کر کے قبضہ کیا تھا۔ اس فیصلہ پر پوری فوج سمرقند سے باہر نکل آئی۔ اہل سمرقند حیران رہ گئے کہ پرانے مقدمہ کا فیصلہ آج انصاف کے اصولوں پر ہوا ہے۔ وہ مرضی وخوشی سے مسلم حکومت کے مطیع وفرمانبردار بن گئے۔(2)

رواداری

غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کے باب میں ایک اصول رواداری کا بھی ہے۔ فرمایا گیا:

﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ (3)

"دین میں کوئی جبر نہیں، بے شک ہدایت گمراہی سے واضح کر دی گئی ہے۔"

---

(1) القرشی، یحیٰ بن آدم، کتاب الخراج، مطبع المکیۃ العلمیہ لاہور، س ن، ص ۸۲

(2) البلاذری، ابوالحسن، احمد بن یحیٰ، فتوح البلدان، دار الکتب العربیۃ بیروت، ۱۹۸۷ء، ص ۴۰۷

(3) البقرہ ۲:۲۵۶

اسلام میں دوسرے مذاہب کے معبودانِ باطل کو برا بھلا کہنے سے بھی منع کیا گیا ہے:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ (1)

"اور گالی مت دو ان کو جن کی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے آگے بڑھ کر جہالت کی بنا پر اللہ تعالیٰ کو گالیاں دینے لگیں۔"

نجران کا وفد جب مدینہ میں آپؐ کے پاس آیا تو آپؐ نے نہ صرف انہیں مسجد نبویؐ میں ٹھہرایا بلکہ ان کو مسجد میں اپنے طریق کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔(2) فتح مکہ کے موقع پر اگر آپؐ چاہتے تو اپنے اور مسلمانوں کے ساتھ اہل مکہ کی طرف سے کی گئی زیادتیوں کا بدلہ آسانی سے لے سکتے تھے۔ لیکن آپؐ نے نہ صرف انہیں معاف کر دیا بلکہ کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا۔ یہ سب مثالیں آپؐ کی رواداری کے جذبہ کو ظاہر کرتی ہیں۔ ایڈورڈ گبن لکھتا ہے عیسائی رعایا کے لیے محمد (ﷺ) نے بلا تامل ان کے تحفظ جان و مال، پیشہ کی آزادی اور مذہبی رواداری کی ضمانت دی۔(3)

انسانی فلاح و بہبود

اسلام خیر خواہی کا دین ہے۔ یہ انسانیت کی خیر و فلاح اور بھلائی چاہتا ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ (4)

"تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہے، نیکی کا حکم دیتی ہے اور برائی سے منع کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتی ہے۔"

آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت و رافت بنا کر بھیجا گیا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ﴾ (1)

---

(1) الانعام ۶:۱۰۸

(2) سیرۃ ابن ہشام، ص ۲۷۲

(3).Edward Gibbon, The Decline and Fall of Roman Empire, The Modern Library New York, 1990, v.5, p.269-270

(4) آل عمران ۳:۱۱۰

”اور ہم نے آپ ؐ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔“

جب آپ ﷺ پر غار حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ گھر تشریف لائے۔ تمام ماجرا سن کر آپ ؐ کو حضرت خدیجہ ؓ نے تسلی دی کہ ہر گز نہیں، اللہ کی قسم! اللہ آپ ؐ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا کیونکہ آپ ؐ رشتہ داروں سے حسنِ سلوک کرتے ہیں، لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، ناداروں کی مدد کرتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصیبت میں مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔[2] انسانی فلاح کے اسی جذبہ کے تحت آپ ؐ نے مکہ میں قحط کے دوران اہل مکہ کو پانچ سو اشرفیاں بھجوائیں تاکہ غرباء میں تقسیم کی جاسکیں۔[3] جب اہل مکہ تجارت کی غرض سے نہ جاسکتے تھے تو ابوسفیان کو کھجوروں کی بھاری مقدار دے کر ان سے طائف کا چمڑا حاصل کیا تاکہ ان کی معاشی حالت ڈانواں ڈول نہ ہو جائے۔[4]

دوسرے مذاہب کے برعکس اسلام نے ایک جامع اور ہمہ گیر فلاحی نظام کا تصور امت مسلمہ کو دیا ہے جبکہ اس کے مقابل یہود و نصاریٰ اور مشرکینِ مکہ نے مذہب کو انسانی استحصال کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔ یہود و نصاریٰ سرمایہ دارانہ ذہنیت کے حامل تھے جبکہ مشرکین عرب یتیم کا مال تک ڈکار جاتے تھے، مسکین کو کھانا کھلانے کی رغبت نہیں دلاتے تھے اور مال و دولت سے پیار کرتے تھے۔ اسی بارے ارشاد ہوتا ہے:

﴿كَلَّا بَلْ لَا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ () وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَى طَعَامِ الْمِسْكِينِ () وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَمًّا() وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا﴾ [5]

امن عالم کا قیام

امن عالم کا قیام آج کی دنیا کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ تاریخ انسانی کا کوئی دور بھی ایسا نہیں گزرا جس میں اس کی ضرورت و اہمیت کو محسوس نہ کیا گیا ہو۔ بعثت نبویؐ کے وقت انسانیت کا حال بدترین ہو چکا تھا۔ خشکی و تری پر فتنہ و فساد پھیل چکا تھا اور امنِ عالم سسکیاں لے رہا تھا۔ اس حالت کا نقشہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾ [1]

---

(1) الانبیاء ۲۱:۱۰۷

(2) صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، باب: کیف بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ، حدیث رقم: ۰۳

(3) شرح کتاب السیر الکبیر، ص ۱/۶۹

(4) ابو عبید، قاسم بن سلام، کتاب الاموال، ص ۶۹۱

(5) الفجر ۸۹:۱۷-۲۰

”خشکی اور تری میں لوگوں کی بداعمالیوں کے باعث فساد پھیل گیا۔“

اسلام اس ظلم وستم اور فتنہ وفساد کو ختم کرنے کے لیے آیا:

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ۖ فَإِنِ انتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ﴾ (2)

”اور تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ وفساد باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے پھر اگروہ باز آجائیں تو سوائے ظالموں کے ان پر دست درازی نہ کرو۔“

کیونکہ فتنہ وفساد کو قتل سے بھی بڑھ کر سمجھا گیا ہے:

﴿وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ (3)

”اور فتنہ قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔“

اسلام نے جنگ کی اجازت بھی صرف اسی وقت ہی دی ہے جب کہ اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو۔ بصورت دیگر ہر پرامن اور صلح وصفائی کا ذریعہ اختیار کرنے کا کہا گیا ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ اگر دشمن ہتھیار پھینک دے اور صلح کا خواستگار ہو تو آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لو:

﴿وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾ (4)

”اور اگروہ صلح کی طرف مائل ہوں تو پس ان سے صلح کرلو اور اللہ پر بھروسا رکھو۔“

حدیث میں آتا ہے:

"لاتتمنوالقاء العدو،وسلواالله العافية-فاذالقيتموهم فاصبروا،واعلمواأن الجنة تحت ظلال السيوف-"(5)

---

(1) الروم ۴۱:۳۰

(2) البقرہ ۱۹۳:۲

(3) البقرہ ۱۹۱:۲

(4) الانفال ۶۱:۸

(5) صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب لاتتمنوالقاءالعدو، حدیث رقم ۲۸۰۱؛ صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب کراھۃ تمنی لقاءالعدو، حدیث رقم: ۴۵۴۱

(دشمن سے مڈ بھیڑ کی خواہش نہ کرو اور اللہ سے عافیت مانگتے رہو، پس جب میدان جنگ میں تمہارا سامنا ہو تو ثابت قدم رہو، صبر کرو اور جان رکھو کہ جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔)

جدید دور کی جنگوں نے جو گل کھلائے ہیں اور انسانیت غاصبانہ قبضے، ذاتی انا، خود غرضی، دھوکہ دہی، نقضِ عہد اور اس طرح کی اخلاقی برائیوں کا شکار رہی ہے، وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ اگر ہم دورِ رسالتؐ کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے کس طرح کم سے کم خون بہا کر اور قتل و غارت گری سے اعراض کرتے ہوئے عرب سرزمین کو مسخر کیا۔ آپؐ کے دور کی جنگوں کی تفصیل ہمیں بتاتی ہے کہ ان میں دس سال کے عرصہ میں مقتولین کی تعداد 1018 رہی جن میں مسلمان شہداء 259 اور دشمن کے مقتول 759 تھے۔ اگر ان کو 82 مہمات پر تقسیم کیا جائے تو اوسط تعداد قریباً 12 نکلتی ہے۔[1]

احترام انسانیت

انسانی زندگی کی بقاء احترام انسانیت سے وابستہ ہے۔ اسلام میں انسانی جان کے تقدس میں مسلم اور غیر مسلم میں کوئی فرق روا نہیں سمجھا جاتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تکریم بخشی ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ﴾[2]

"بے شک ہم نے انسان کو معزز بنایا ہے۔"

ایک ناحق جان کو قتل کرنا پوری انسانیت کا قتل گردانا گیا ہے اور کسی انسانی جان کو بچانا پوری انسانیت کو بچانا قرار دیا گیا ہے۔ سورہ مائدہ (کی آیت ۳۲) اس پر دلالت کرتی ہے۔

حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ جہینہ کی ایک شاخ کی طرف بھیجا۔ ہم نے بوقت صبح ان پر حملہ کیا اور انہیں شکست دے دی۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اور ایک انصاریؓ نے ایک آدمی کو گھیرے میں لے لیا۔ جب وہ گھیرے میں آگیا تو اس نے کہا: لاالہ الا اللہ، اس پر انصاری نے ہاتھ روک لیا لیکن میں نے اسے مار ڈالا۔ جب واپسی پر آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپؐ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ تم نے اسے لاالہ الا اللہ کہنے کے بعد کیوں قتل کیا؟ میں نے کہا کہ اس نے ایسا صرف جان بچانے کے لیے کیا تھا۔ آپؐ نے پھر یہی

(1) منصور پوری، محمد سلیمان سلمان، رحمۃ للعالمین، شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور، ۲۰۱۵ء، ۲/۲۱۳

(2) بنی اسرائیل ۱۷:۷۰

فرمایا کہ تم نے اسے کلمہ شہادت کا اقرار کرنے کے باوجود قتل کر دیا۔ آپ ﷺ نے اس جملے کو اتنی بار دہرایا کہ میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہو گئی کہ کاش میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا۔[1]

خلاصۃ البحث

عرب کے خطہ میں جو قتل و غارت گری عام تھی، اس پر انہی تعلیمات نے بند باندھ دیا۔ وہ لوگ جو ذرا ذرا سی بات پر لڑ پڑتے تھے اور ان کے درمیان تلواریں نکل آتی تھیں، آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ ان کے دلوں میں رافت و رحمت کے جذبات ابھر آئے۔ قانون کو توڑنے والے قانون کے پابند بن گئے۔ تہذیب و تمدن سے ناآشنا تہذیب و تمدن کے امام بن گئے۔ اسلام نہ صرف انفرادی بلکہ اجتماعی معاملات اور امور کی رہنمائی بھی فراہم کرتا ہے۔ انسانی تمدن معاشرہ کے بغیر ترقی اور نمو نہیں پا سکتا۔ اسی لیے اسلام ایک ایسی ریاست کی تنظیم و تہذیب کا قائل ہے جو قرآن و سنت کی عملی تعلیمات کا نمونہ ہو۔ اسلامی ریاست غیر مسلم اقوام یا ریاستوں سے دوستانہ مراسم قائم کرتے ہوئے ایک محتاط اور زیرک رویہ اختیار کرتی ہے۔

اسلامی تعلیمات کے تناظر میں غیر مسلموں سے تعلقات کے ضمن میں درج ذیل نکات پیش نظر رکھنے چاہییں :

- یہود و نصاریٰ مسلمانوں کو کبھی دل سے تسلیم نہیں کرتے۔ یہاں تک واپس ان کے دین میں نہ پلٹ آئیں۔
- یہ کبھی بھی تمہارے دوست نہیں ہو سکتے خواہ تم ان سے کتنا ہی دوستانہ برتاؤ کر لو۔
- وہ مسلمانوں کے خلاف دلوں میں کینہ و بغض رکھتے ہیں۔
- وہ تمہارا دین قبول نہیں کریں گے اور اس کا مذاق اڑائیں گے۔
- معاملات اور معاہدات میں وہ تم سے ہمیشہ بددیانتی کریں گے۔ اس لیے ان سے محتاط رہنے کی روش اختیار کی جائے۔
- ان سے عدل و انصاف کے ساتھ پیش آنے کا حکم دیا گیا ہے۔
- انہیں اپنے دین اور دینی شعائر پر عمل پیرا ہونے کی کھلی آزادی ہے۔
- ان کے ساتھ اس صورت میں دوستانہ تعلقات استوار کیے جا سکتے ہیں، اگر وہ اسلام اور اسلامی ریاست کے خلاف کسی قسم کا معاندانہ رویہ اختیار نہ کریں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

---

(1) السجستانی، سلیمان بن الاشعث، (۱۴۲۷ھ) سنن أبی داؤد، دار السلام لوئر مال لاہور، کتاب الجہاد، باب: علی مایقاتل المشرکون، حدیث رقم: ۲۶۴۳